مزارعت کی شرعی حیثیت

(۵)

محمد طاسین

اگر یہ کہا جائے کہ جن راویوں سے نہی مزارعت کی ایسی احادیث مروی ہیں جو مطلق مزارعت سے متعلق ہیں ان ہی سے کچھ ایسی احادیث بھی مروی ہیں جن میں نہی کا تعلق مزارعت کی بعض مخصوص شکلوں سے ہے لہذا اس سے احتمال ہوسکتا ہے کہ پہلی قسم کی احادیث میں بھی نہی مزارعت سے مراد مطلق مزارعت نہ ہو بلکہ اس کی بعض مخصوص شکلیں ہوں جن کا دوسری احادیث میں ذکر ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے تو یہ صحیح نہیں کہ جن راویوں سے پہلی قسم کی احادیث مروی ہیں ان سب سے دوسری قسم کی احادیث بھی مروی ہیں کیونکہ حضرت ابو ہریرہ، حضرت ثابت بن الضحاک، حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس سے پہلی قسم کی احادیث تو مروی ہیں لیکن دوسری قسم کی احادیث مروی نہیں، اور جن دو تین صحابہ رض سے دوسری قسم کی احادیث مروی ہیں ان احادیث کو بھی غور سے دیکھا جائے تو ان سے کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ نہی کا تعلق مزارعت کی کسی خاص شکل سے مخصوص اور مختص ہے، مثلاً رافع بن خدیج سے مروی مندرج احادیث ملاحظہ فرمائیے !

(۱) عن حنظلة الانصاری سمع رافع بن خدیج قال کنا اکثر اھل المدینة حقلا وکان احدنا یکری ارضه فیقول هذه القطعة لی و هذه لك فربما اخرجت ذه و لم تخرج

حضرت حنظلہ سے روایت ہے کہ اس نے رافع بن خدیج سے یہ کہتے سنا کہ ہم مدینہ والوں میں زیادہ کھیتوں والے تھے ہم میں سے ایک اپنی زمین

ذہ لنہا ھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

دوسرے کو کاشت کے لئے دیتا تو یہ کہتا کہ اس حصے کی پیداوار میرے لئے ہوگی اور اس حصے کی تیرے لئے، پھر کبھی ایسا ہوتا کہ اس حصہ میں پیداوار ہوتی اور اس میں نہ ہوتی بس رسول اللہ صلعم نے اس سے منع فرمایا

(۲) عن حنظلة بن قیس عن رافع بن خدیج قال حدثنی عمای انھم یکرون الارض علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بما ینبت علی الاربعاء، او یستثنیہ صاحب الارض فنھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذالک۔

حنظلہ بن قیس نے رافع بن خدیج سے روایت کیا کہ ان سے ان کے چچوں نے بیان کیا کہ وہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں زمین کو کرائے پر دیتے تھے بعوض اس پیداوار کے جو نالیوں کے کنارے پر اگتی تھی یا جس کو مالک زمین اپنے لئے مستثنی اور مخصوص کر لیتا تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روک دیا اور منع فرمایا۔

حضرت رافع بن خدیج کی اس قسم کی کچھ اور روایات بھی ھیں جو معمولی اختلاف کے ساتھ صحاح ستہ وغیرہ میں ملتی ھیں ان روایات سے جو ظاھر ھوتا ھے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ھجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو وھاں مالک زمین اور کاشتکار کے مابین کراءالارض کی بعض ایسی شکلیں رائج تھیں جو عموماً باھمی نزاع و جھگڑے کا باعث بنتی تھیں اور ان میں ایک فریق کو اس کی توقع کے خلاف نقصان اٹھانا پڑتا تھا لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شکلوں سے منع فرمایا، لیکن اس قسم کی روایات سے یہ

مطلب لینا کہ سوائے ان شکلوں کے جن کا ان روایات میں ذکر ہے، مزارعت کی باقی شکلیں جائز ہیں کسی طرح درست نہیں کیونکہ ان روایات میں حصر و تخصیص کا کوئی ایسا لفظ مذکور نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ نہی، مزارعت کی ان خاص شکلوں کے ساتھ مخصوص ہے اور باقی شکلیں اس سے خارج اور جائز ہیں اور پھر جب کہ اسی رافع بن خدیج کی دوسری اسی درجہ کی روایات سے باقی تمام شکلوں کا بھی ممنوع اور ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے، بالفاظ دیگر مطلب یہ کہ اگر ان کی دوسری روایات نہ ہوتیں جن سے مزارعت کی ہر شکل کا ممنوع اور ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے تو پھر مذکورہ روایات سے کمزور قسم کا احتمال ہو سکتا تھا کہ شاید ان کے سوا باقی شکلیں جائز ہوں لیکن دوسری روایات کے ہونے کی صورت میں اس احتمال کا کوئی جواز نہیں رہتا اور یہ احتمال ختم ہوجاتا ہے، علاوہ ازیں اگر مذکورہ روایات کا یہ مطلب لیا جائے کہ ان میں کراء الارض کی جن شکلوں کا ذکر ہے صرف وہی ممنوع و ناجائز ہیں اور باقی صورتیں جائز ہیں تو اس سے ایک ہی راوی کی مختلف روایات میں تعارض پیدا ہوجاتا ہے اور پھر تعارض کو رفع کرنے کے لئے بغیر کسی وجہ ترجیح کے بعض روایتوں کو بعض پر ترجیح دینی پڑتی ہے حالانکہ اس صورت میں ان کے مابین کوئی تعارض نہیں ہوتا جب ان خاص روایات کو صرف ان شکلوں تک محدود رکھا جائے جن کا کہ ان روایات میں ذکر ہے اور دوسری روایات کو اپنے عموم پر باقی رکھا جائے، اس صورت میں مطلب یہ ہوتا ہے کہ یوں تو مزارعت کی تمام شکلیں ممنوع ہیں لیکن بعض شکلیں باعث نزاع ہونے کی وجہ سے زیادہ بری ہیں، لہذا اس صورت میں دونوں قسم کی روایات کے مابین توافق و تطابق قائم رہتا ہے اور مذکورہ خرابی لازم نہیں آتی۔

غرضیکہ رافع بن خدیج کی مذکورہ بالا روایات کا یہ مطلب لینا کہ ان میں مزارعت کی جن شکلوں کا ذکر ہے فقط وہی ممنوع و ناجائز اور باقی سب

شکلیں درست اور جائز ہیں، اس مطلب کی صرف اس صورت میں کوئی گنجائش نکل سکتی تھی جب حضرت رافع بن خدیج سے کوئی ایسی روائت مروی ہوتی جس میں مطلق مزارعت کے جواز کا ذکر ہوتا حالانکہ نہ صرف یہ کہ اس طرح کی کوئی روائت موجود نہیں بلکہ اس کے برعکس متعدد ایسی روایات موجود ہیں جو مطلق مزارعت اور اس کی ہر شکل کے ممنوع اور ناجائز ہونے پر واضح الدلالت ہیں لہذا زیر بحث احادیث کا مذکورہ مطلب نقل کی رو سے بھی غلط ہے اور عقل کی رو سے بھی، اور یہ تقریباً ایسا ہے کہ کوئی اضعافاً مضاعفة والی آیت سے یہ مطلب لے کہ اضعافاً مضاعفة کے سوا ربا کی باقی سب شکلیں جائز ہیں جب کہ قرآن مجید کی دوسری آیت میں مطلق ربا کے حرام ہونے کا بھی بیان ہے۔

اس قسم کی ایک روائت حضرت جابر سے بھی مروی ہے جس کو صحیح المسلم اور مسند احمد میں ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے

عن جابر کنا لنخابر علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فنصیب من القصری و من کذا و من کذا فقال النبی صلی الله علیه وسلم من کانت له ارض فلیزرعها او لیحرثها اخاه والا فلیدعها،

حضرت جابر سے روائت ہے کہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں ہم مزارعت پر زمین دیا کرتے تھے اور اپنے لئے حصہ مقرر کرتے تھے کچھ گھنڈیوں میں سے اور کچھ اس سے اور کچھ اس سے، تو نبی صلعم نے فرمایا جس کی زمین ہو وہ خود اس کو کاشت کرے یا اپنے بھائی کو یونہی کاشت کے لئے دے دے ورنہ اس کو بلا کاشت چھوڑ دے،

اس روائت سے بھی وہ حضرات استدلال کرتے ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق مزارعت سے منع نہیں کیا بلکہ اس کی بعض فاسد شکلوں سے روکا ہے حالانکہ اس حدیث سے ان کا دعوی ہرگز ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے اس کا ابطال ہوتا ہے کیونکہ اس روائت کے پہلے حصہ میں اگرچہ مزارعت کی ایک خاص شکل کا ذکر ہے لیکن اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے جو الفاظ ہیں وہ صرف اس شکل کے ناجائز ہونے پر دلالت نہیں کرتے بلکہ مزارعت کی ہر شکل کے ناجائز ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ ان الفاظ میں مالک زمین کے لئے صرف تین شکلیں جائز بتلائی گئی ہیں ان کے سوا زمین سے فائدہ اٹھانے کی باقی سب شکلیں خود بخود ناجائز قرار پاتی ہیں پھر جب کہ حضرت جابرؓ کی دوسری صحیح روایات میں متعین طور پر مزارعت کی جملہ شکلوں کو ممنوع بتلایا گیا ہے جیسے صحیح البخاری کی یہ روائت

عن جابر قال كانوا يزرعونها بالثلث والربع والنصف فقال النبي صلى الله عليه وسلم : من كانت له ارض فليزرعها او ليمنحها فان لم يفعل فليمسك ارضه،

حضرت جابر سے روائت ہے کہا کہ لوگ زمین کو کاشت کرتے کراتے تھے پیداوار کے تہائی، چوتھائی اور نصف حصہ پر، پس نبی صلعم نے فرمایا: جس کی زمین ہو اس کو وہ خود کاشت کرے یا دوسرے کو مفت استعمال کرنے کے لئے دے دے، اور اگر ایسا نہیں کرتا تو بلا کاشت زمین کو روک لے،

صاف واضح ہے کہ اس روایت میں پہلے مزارعت کی ان شکلوں کا ذکر ہے جن کو یہ حضرات جائز کہتے ہیں اور پھر ان کی ممانعت کے متعلق رسول اللہ صلعم کے جو الفاظ ہیں وہ جس طرح مزارعت کی مذکورہ شکلوں کی ممانعت

پر دلالت کرتے ھیں اسی طرح کراءالارض کی دیگر تمام شکلوں کو بھی ممنوع بتلاتے ھیں، لہذا حضرت جابر کی کسی روائت سے یہ مطلب نکالنا کہ ان کے نزدیک نفس مزارعت تو جائز ھے البتہ اس کی بعض فاسد شکلیں ناجائز ھیں ان پر افتراء باندھنا اورجھوٹا الزام لگانا ھے ،

جو حضرات یہ کہتے ھیں کہ مطلق مزارعت تو جائز ھے البتہ اس کی بعض شکلیں ناجائز ھیں وہ اپنے اس موقف کی تائید میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی درج ذیل حدیث بھی پیش کرتے ھیں لیکن غور سے دیکھا جائے تو اس حدیث سے بھی نہ صرف یہ کہ ان کے موقف کی تائید نہیں ھوتی بلکہ الٹی تردید ھوتی ھے ،

عن سعید بن المسیب عن سعد بن ابی وقاص قال کنانکری الارض بما علی السواقی من الزرع وما سعد بالماء منها، فنهانا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عن ذالك و امرنا ان نکریها بذھب او فضة، سنن ابی داؤد

سعید بن مسیب نے سعد بن وقاص سے روائت کیا حضرت سعد نے فرمایا ھم زمین لگان پر دیا کرتے تھے بعوض اس پیداوار کے جو نالیوں کے کنارے پر اور اس حصے پر اُگتی تھی جہاں پانی خودبخود پہنچ جاتا تھا پس رسول اللہ صلعم نے ھمیں اس سے منع کیا اور حکم دیا کہ ھم سونے چاندی کے عوض لگان پر دیں ،

مسند احمد اور سنن نسائی میں اس روائت کے جو الفاظ ھیں وہ قدرے زیادہ اور مختلف ھیں ، ملاحظہ فرمائیے !

عن سعد ان اصحاب المزارع فی زمن النبی صلی اللہ علیه وسلم کانوا یکرون

حضرت سعد سے مروی ھے کہ نبی صلعم کے زمانہ میں کھیتوں والے

مزارعهم بما يكون على السواقى وما سعد بالماء مما حول النبت فجاءوا رسول الله صلى الله عليه وسلم فاختصموا فى بعض ذالك فنها هم ان يكروا بذالك وقال اكروا بالذهب والفضة ،

اپنے کھیتوں کو لگان پر دیتے تھے بعوض اس پیداوار کے جو نالیوں کے کنارے سے اور زمین کے اس حصہ سے حاصل ہوتی تھی جس کی طرف پانی خود بہتا چلا جاتا تھا، پس ان کے درمیان اس معاملے میں جھگڑا ہوا اور رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان کو اس معاملے سے منع کیا اور فرمایا نقد سونے چاندی کے بدلے لگان پر دو ،

حضرت سعد بن ابی وقاص کی یہ دو روائتیں جو دراصل ایک ہی حدیث سے تعلق رکھتی ہیں ان میں پہلے حضرت سعد نے کراء الارض کی ایک شکل بیان کی ہے جو منجملہ دوسری شکلوں کے مدینہ میں رائج تھی، پھر یہ بتلایا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اس سے منع کیا اور آخر میں یہ بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک شکل کی اجازت دی ہے وہ یہ کہ سونے چاندی یعنی نقدی کے بدلے زمین کو کرایہ پر دیا جائے، لہذا اس سے یہ ثابت ہوا کہ کراء الارض کی وہ شکل بھی ممنوع ہے جس کا خاص طور پر اس حدیث میں ذکر ہے اسی طرح وہ تمام شکلیں بھی ممنوع اور ناجائز ہیں جو پیداوار کے ایک حصے پر طے پاتی ہیں کیونکہ وہ اس شکل کی تعریف میں نہیں آتیں جس کو اس حدیث میں جائز قرار دیا گیا ہے یعنی نقدی کے عوض کرائے پر دینا، بہرحال ان مذکورہ روائتوں میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے مزارعت یعنی زمین کو پیداوار کے ایک حصہ پر دینے کا جواز نکلتا ہو، یہ حضرات اپنے موقف کی تائید میں ایک اور حدیث کو بھی پیش کرتے ہیں جو حضرت

زید بن ثابت سے مروی ہے اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں مذکور ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :

عن عروة بن الزبیر قال قال زید بن ثابت یغفراللہ لرافع بن خدیج انا واللہ اعلم بالحدیث منه، انما اتیٰ رجلان النبی صلی اللہ علیه وسلم وقد اقتتلا، فقال ان کان ھذا شانکم فلا تکروا المزارع، فسمع رافع بن خدیج قوله فلا تکروا المزارع،

عروة بن زبیر سے روایت ہے کہا فرمایا زید بن ثابت نے اللہ مغفرت فرمائے رافع بن خدیج کے لئے، میں واللہ اس حدیث کو اس سے زیادہ علم رکھتا ہوں، واقعہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلعم کے پاس دو شخص آئے جن کے مابین کچھ جھگڑا ہوچکا تھا، اس پر آپ نے فرمایا اگر تمہارا یہ حال ہے تو کھیتوں کو کرائے پر نہ دو، پس رافع بن خدیج نے صرف "فلا تکروا المزارع،، سنا ۔

امام ابو داؤد نے اس حدیث کو جس سند سے بیان کیا ہے اس سند کے دو راوی مجروح ہیں ایک ابو عبیدہ بن محمد بن عمار اور دوسرا عبدالرحمن بن اسحاق، لہذا سند کے لحاظ سے یہ حدیث زیادہ قابل اعتماد نہیں، اور اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو پھر بھی اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مزارعت کی صرف وہی شکلیں ناجائز ہیں جو باہمی نزاع کا باعث بنتی ہیں اور باقی سب جائز ہیں کیونکہ اس حدیث کے جو آخری الفاظ ہیں یعنی فلا تکروا المزارع، وہ اپنے عموم کی وجہ سے مزارعت اور کراءالارض کی تمام شکلوں پر حاوی ہیں اور ان سے مزارعت کی تمام شکلوں کا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ نصوص میں عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوص مورد کا نہیں ہوتا، علاوہ ازیں حضرت زید بن ثابت کی دوسری حدیث جو سند وغیرہ

کے لحاظ سے زیادہ قوی اور قابل اعتماد ہے۔ اور جس کو امام ابوداؤد نے باب المخابرۃ میں نقل کیا ہے اس سے بھی قطعی طور پر مزارعت کی ہر شکل کا ممنوع ہونا ظاہر ہوتا ہے، اس حدیث کو میں پیچھے بھی نقل کر چکا ہوں وہ یہ ہے:

عن زید بن ثابت قال نہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المخابرۃ، قلت ما المخابرۃ ؟ قال ان تأخذ الارض بنصف او ثلث او ربع، ص ۱۲۷ - ج ۲

حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع فرمایا، میں نے کہا مخابرہ کا کیا مطلب، فرمایا: تیرا دوسرے کی زمین کو کاشت کے لئے لینا پیداوار کے نصف یا تہائی یا چوتھائی حصہ پر'

اس حدیث میں مخابرہ کی جو تعریف ہے وہ زید بن ثابت کے پوچھنے پر رسول اللہ صلعم نے فرمائی ہو یا زید بن ثابت کے شاگرد راوی کے پوچھنے پر زید بن ثابت نے فرمائی ہو بہر صورت اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پیداوار کے نصف، تہائی اور چوتھائی حصے پر زمین کا لینا دینا زید بن ثابت کے نزدیک ناجائز ہے خواہ اس کی کوئی شکل بھی ہو، اس طرح زید بن ثابت کی دونوں حدیثوں کے مابین توافق و تطابق قائم رہتا ہے بخلاف اس صورت کے کہ جب ان کی زیر بحث روائت کا مطلب یہ لیا جائے کہ مزارعت کی فقط وہی شکل ممنوع ہے جس میں نزاع کا اندیشہ ہو اور باقی شکلیں جائز ہیں، ان کی دو حدیثوں کے مابین تعارض پیدا ہوجاتا ہے جسے دور کرنے کے لئے غلط تاویلوں سے کام لینا پڑتا ہے'

ملحوظ رہے کہ زیر بحث حدیث میں یہ جو الفاظ ہیں : ''یغفر اللہ لرافع بن خدیج انا واللہ اعلم بالحدیث منہ،، اللہ رافع بن خدیج کے لئے مغفرت فرمائے، میں بخدا اس حدیث کا ان سے زیادہ علم رکھتا ہوں، ان الفاظ سے ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ زید بن ثابت کے سامنے رافع بن خدیج اور نہی مزارعت کے متعلق اس کی حدیث کا ذکر آیا تو اس پر زید بن ثابت نے فرمایا میں اس حدیث کو بمقابلہ رافع بن خدیج کے زیادہ اور بہتر جانتا ہوں ان کو تو صرف اتنا معلوم ہے کہ رسول اللہ صلعم نے "لاتکروا المزارع،، فرمایا اور مجھے وہ واقعہ بھی معلوم ہے جس کے رونما ہونے پر آپ نے ایسا فرمایا، وہ واقعہ یہ تھا کہ دو آدمیوں کے درمیان جھگڑا ہوا جنھوں نے آپس میں کراءالارض کا معاملہ کر رکھا تھا اور پھر تصفیے کے لئے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ماجرا سن کر فرمایا اگر ایسا ہے تو پھر تم کراء الارض کے معاملہ کو ترک کردو، چونکہ اس حدیث میں کراءالارض کی اس شکل کا کوئی ذکر نہیں جو جھگڑے اور نزاع کا موجب بنی تھی لہذا اس میں کراءالارض کی جونہی ہے اسے کراءالارض کی کسی خاص شکل سے مخصوص سمجھنا غلط ہے بلکہ وہ عام ہے اور کراءالارض کی ہر شکل سے متعلق ہے کیونکہ اگر رسول اللہ صلعم کو کراءالارض کی کسی خاص شکل سے روکنا ہوتا تو تعین کے ساتھ اس سے روکتے اور یہ نہ فرماتے "فلا تکرواالمزارع،، جو مطلق کرءاالارض کی ممانعت پر دلالت کرتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس حدیث میں یہ جو جملہ ہے، کہ "ان کان ھذا شانکم فلاتکروا المزارع،، اگر تمہارا یہ حال ہے تو پھر تم کراءالارض کو چھوڑ دو اور یہ معاملہ نہ کرو، اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کراءالارض کی ممانعت کا سبب نزاع و جھگڑے کا وجود ہے لہذا کراءالارض کی صرف وھی صورتیں ممنوع ہونی چاھئیں جو باھمی نزاع و جھگڑے کا باعث بنتی ہوں اور جو ایسی نہ ہوں وہ جائز ہونی چاھئیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں کہ نزاع و جھگڑے کا وجود کراءالارض کی ممانعت کا سبب ہے اور اس کی وجہ سے رسول اللہ صلعم نے کراءالارض سے روکا ہے کیونکہ کسی معاملہ کو ناجائز قرار دینے اور اس سے روکنے کی اصل وجہ ظلم و حق تلفی ہے جس کے نتیجہ میں بعض دفعہ نزاع و تصادم رونما ہوتا ہے گویا

باھمی نزاع و تصادم اثر اور نتیجہ ھوتا ہے اس ظلم و حق تلفی کا جس کی وجہ سے شارع کسی معاملہ کو ناجائز اور ممنوع قرار دیتا ہے، جن معاملات میں ایک فریق کی لازماً حق تلفی ھوتی تھی شارع علیہ السلام نے ان کو ناجائز اور ممنوع ٹھرایا اگرچہ فریقین ان کو راضی خوشی ھی سے کیوں نہ اختیار کریں اور کبھی ان کے مابین نزاع کی نوبت نہ آئے، مثلاً سود، ظلم و حق تلفی پر مبنی ھونے کی وجہ سے حرام اور ممنوع ہے اگرچہ اس کا لین دین کرنے والوں کے درمیان کبھی نزاع و جھگڑا نہ ھو اور خواہ ان کے مابین کتنا ھی اتفاق و اتحاد کیوں نہ پایا جاتاھو، لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشاد کا صحیح مطلب یہ بنتا ہے کہ آپ نے جب ان شخصوں کے مابین جھگڑے کے اصل سبب پر نظر ڈالی تو آپ کو یہ معاملہ ظلم و حق تلفی پر مبنی دکھائی دیا بنابریں آپ نے اس سے منع فرمایا، اور چونکہ ظلم و حق تلفی کا عنصر معاملہ کراء الارض اور مزارعت کی ھر شکل میں موجود ہے لہذا اس کے مطابق اس کی تمام شکلیں ناجائز و ممنوع قرار پاتی ھیں ،

باقی زید بن ثابت کی طرف منسوب وہ فقرہ جو انھوں نے رافع بن خدیج کے متعلق فرمایا وہ اس وقت صحیح ھوسکتا ہے جب یہ متعین ھوجائے کہ رافع بن خدیج محض اس حدیث کی بنا پر جس کا زید بن ثابت کو بنسبت ان کے زیادہ علم تھا مطلق مزارعت کو حرام و ناجائز سمجھتے اور کہتے تھے لیکن جیسا کہ صحاح ستہ کی متعدد روایات سے ظاھر ھوتا ہے کہ رافع بن خدیج محض اس حدیث کی بنا پر نہیں جس کا زید بن ثابت نے ذکر کیا بلکہ متعدد دوسری احادیث کی بنا پر مزارعت کو ممنوع اور ناجائز کہتے تھے مثلاً ایک وہ حدیث جو انھوں نے اپنے چچوں سے سنی، دوسری وہ حدیث جس کا یہ مضمون ہے کہ وہ اپنی کھیتی کو پانی دے رہے تھے کہ وھاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ھوا، آپ نے پوچھا کھیتی کس کی ہے تو اس نے عرض کیا کھیتی میرے بیج اور عمل سے ہے اور زمین بنی فلاں کی ہے اور میں نے

پیداوار کے ایک حصہ پر لی ہے تو اس پر آپ نے فرمایا ''اربیتما،، تم نے سود کا معاملہ کیا، اب تمہارے لئے ہدایت یہ ہے کہ زمین مع کھیتی کے اس کے مالکوں کو دےدو اور اس میں تمہارا جو خرچہ ہوا ہے ان سے لے لو، تیسری وہ حدیث جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس کی زمین ہو وہ خود اس کو کاشت کرے اور خود کاشت نہ کرسکتا ہو تو پھر اپنے مسلمان بھائی کو عطیہ کے طور پر دے دے ورنہ اپنے پاس روک رکھے، ان تینوں احادیث کے راوی خود حضرت رافع بن خدیج ہیں اور ان کو محدثین نے صحیح تسلیم کیا ہے،

میں سمجھتا ہوں احادیث مزارعت میں جمع و تطبیق کی پہلی صورت کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے یہ بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ یہ صورت کئی وجوہ سے ناقابل اعتبار اور مردود ہے، اس کے بعد جمع و تطبیق کی دوسری شکل کو لیجئے جو دوسرے بعض علماء نے تجویز کی ہے، وہ شکل یہ کہ جواز والی حدیث کا مطلب یہ کہ مزارعت حرام نہیں اور عدم جواز والی احادیث کا مطلب یہ کہ مزارعت ناپسندیدہ، غیر مستحسن اور مکروہ معاملہ ہے جس کا نہ کرنا کرنے سے بہتر ہے، تطبیق کی اس دوسری شکل میں بھی تقریباً وہ ساری خرابیاں موجود ہیں جو پہلی شکل میں بتلائی گئی ہیں،

واضح رہے کہ جمع و تطبیق کی یہ جو دوسری شکل ہے دراصل اس کی بنیاد عبداللہ بن عباس کی اس حدیث پر قائم ہے جس کے واحد راوی حضرت طاؤس ہیں اور جس پر پیچھے کافی تفصیل سے بحث کی جاچکی ہے اور یہ اچھی طرح واضح کیا گیا ہے کہ یہ حدیث متعدد اسباب کی بنا پر مرجوح اور کمزور اور اس کے مقابلہ میں مزارعت کی عدم جواز والی احادیث، متعدد وجوہ ترجیح کی بنا پر راجح اور قوی ہیں، اور چونکہ تطبیق کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ جن احادیث میں تطبیق دی جارہی ہے وہ متعارض ہوں اور تعارض کے لئے

ضروری ہے کہ وہ برابر درجہ کی ہوں لہذا یہ تطبیق اصولی طور پر غلط قرار پاتی ہے، اور اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ یہ حدیث بھی اسی پایہ و درجہ کی ہے جس پایہ و درجہ کی دوسری احادیث ہیں تو پھر بھی مذکورہ تطبیق صحیح نہیں کیونکہ اس میں تطبیق کی جو بنیاد ہے وہ یہ کہ مزارعت کی ہر شکل کراہیت کے ساتھ جائز ہے جب اس بنیاد کے متعلق یہ پوچھا جائے کہ وہ کونسی دلیل ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مزارعت کراہیت کے ساتھ جائز ہے تو اس کے جواب میں عبداللہ بن عباس کی مذکورہ حدیث کو پیش کیا جاتا ہے جو خود ان متعارض احادیث میں سے ایک ہے اس طرح اس حدیث کو بلا کسی مرجح اور دلیل کے دوسری احادیث پر ترجیح حاصل ہوجاتی ہے اور ان کی وہ مساویانہ حیثیت قائم نہیں رہتی جو ان کو متعارض مان کر تسلیم کی گئی تھی، اور اگر اس کے ثبوت میں حدیث خیبر کو پیش کیا جائے تو وہ اس وجہ سے درست نہیں کہ اس کے کسی لفظ سے یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ مزارعت کراہیت کے ساتھ جائز ہے اور اس کا نہ کرنا کرنے سے بہتر ہے علاوہ ازیں اگر اس کا یہ مطلب لیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحب کو چھوڑ کر مکروہ کو اختیار کیا اور یہ لازم بالکل غلط ہے کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں ہوسکتا، غرضیکہ اس تطبیق کی جو بنیاد ہے اس کے ثبوت کے لئے ان متعارض احادیث سے ہٹ کر کوئی نقلی و عقلی دلیل موجود نہیں لہذا یہ صحیح نہیں، اور دوسری وجہ اس کے صحیح نہ ہونے کی یہ ہے کہ اس کے لئے مزارعت کے عدم جواز والی احادیث میں جو تاویل کرلی پڑتی ہے چند احادیث میں اس کی مطلق کوئی گنجائش نہیں یعنی اس کی گنجائش نہیں کہ ان میں جو مزارعت کی نہی ہے اس کو نہی تحریم کی بجائے نہی تنزیہ پر محمول کیا جائے، مثل اس حدیث میں اس تاویل کی کوئی گنجائش نہیں، جس میں معاملہ مزارعت کو بمعاملہ ربوا سے تشبیہ دی گئی اور پھر اس کو فوراً فسخ کرنے کا حکم

ہے یہ حدیث پیچھے دو تین مرتبہ مختلف مواقع پر نقل کی گئی ہے، اسی طرح وہ حدیث بھی اس تاویل کا قطعاً انکارکرتی ہے جس میں یہ فرمایا گیا :
''من لم یذر المخابرة فلیؤذن بحرب من اللہ و رسولہ'' جو شخص مخابرت کو نہیں چھوڑتا وہ گویا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ برسر پیکار ہے، کیونکہ یہ جو انداز بیان ہے کسی مکروہ معاملے کے لئے نہیں بلکہ حرام معاملے ھی کے لئے ہوسکتا ہے لہذا جب یہ تاویل ھی صحیح نہیں تو اس پر مبنی تطبیق کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب احادیث مزارعت میں جمع و تطبیق کی مذکورہ دو صورتیں صحیح نہیں بیٹھتیں تو کیا تیسری کوئی صورت ہے جو صحت کے معیار پر ٹھیک اترتی ہو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ھاں ایک صورت ایسی ہے جو صحت کے معیار پر برابر اترتی ہے اور وہ یہ کہ جواز والی جو حدیث خیبر ہے اس کو غیر مسلم ذمیوں کے ساتھ مخصوص کردیا جائے اور عدم جواز والی احادیث کو مسلمانوں کی حد تک محدود رکھا جائے کیونکہ یہ تطبیق ایک ایسی تاویل پر قائم ہوتی ہے جس کی ان متعارض احادیث میں پوری گنجائش ہے، وہ اس طرح کہ حدیث خیبر میں جس معاملے کا ذکر ہے اگر اس کو مزارعت کا معاملہ تسلیم کرلیا جائے تو ظاہر ہے کہ اس معاملہ کے دو فریق ایک بحیثیت اسلامی حکومت کے سربراہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور دوسرے یہود تھے جن کی حیثیت غیر مسلم ذمی رعایا کی تھی، اسی طریقہ سے عدم جواز والی احادیث میں ''اخاہ المسلم'' کے جو الفاظ ھیں وہ صراحةً اس پر دلالت کرتے ھیں کہ مسلمانوں کو آپس میں یہ معاملہ نہیں کرنا چاھئیے، اور پھر اس تطبیق کے ذریعے متعارض احادیث میں سے بعض کو بعض پر بلامرجح ترجیح بھی لازم نہیں آتی جس طرح کہ مذکورہ بالا دو صورتوں میں لازم آتی ہے، بہر حال یہ تطبیق حدیث خیبر کی حد تک تو درست ہوجاتی ہے لیکن طاؤس کی روائت کردہ حدیث ابن عباس اس تطبیق کے تحت نہیں آتی جس کے

مراجوح اور کمزور ہونے پر پیچھے تفصیل سے بحث ہو چکی ہے ؛

اور پھر یہ بھی تو کسی کے نزدیک ضروری نہیں کہ متعارض احادیث کے مابین بہر حال تطبیق ہوتی ہی ہو کیونکہ تعارض کو رفع کرنے کے آخر اور بھی تو طریقے ہیں جن کو سب مانتے ہیں جیسے نسخ کا طریقہ اور ترجیح کا طریقہ، اختلاف صرف ترتیب میں ہے یعنی یہ کہ کس طریقہ کو نمبر اول پر اور کس کو نمبر دوئم اور سوئم پر رکھا جائے، اور نسخ کے طریقہ اور ترجیح کے طریقہ پر ہم پیچھے احادیث مزارعت پر مفصل بحث کرچکے ہیں ؛

مزارعت اور مرفوع احادیث کے عنوان سے جو بحث شروع کی گئی تھی اس میں شک نہیں کہ وہ کافی طویل ہوگئی لیکن اس کے بغیر کوئی چارہ‌کار بھی نہ تھا کیونکہ تشنہ بحثیں تو بہت ہوچکی ہیں جن کا عموماً ایک ہی انداز رہا اور ایک ہی دائرے میں گردش کرتی رہیں جو انداز میں نے اختیار کیا ہے اس میں بحث کا طویل ہو جانا ایک لازمی امر تھا، اب میں اس سلسلے کی تیسری بحث یعنی مزارعت اور آثار صحابہ و تابعین کو شروع کرتا ہوں ؛

مزارعت اور آثار صحابہ و تابعین

آثار صحابہ و تابعین سے مراد وہ روایات ہیں جن میں صحابہ اور تابعین کے اقوال و افعال کا بیان ہوتا ہے، اور جن کو مأخذ شریعت ہونے میں تیسرا درجہ حاصل ہے اور جن سے شرعی احکام کے تفصیلی پہلو کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے ؛ چونکہ یہ حقیقت ہے کہ صحابہ و تابعین بھی اپنی پوری زندگی میں اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کے پابند اور کتاب و سنت پر عمل کرنے کے اسی طرح مکلف تھے جس طرح کہ بعد میں آنے والے مسلمان، لہذا ضروری ہے کہ ان کے دینی اقوال وافعال کتاب و سنت اور قرآن و حدیث کے مطابق ہوں، بنا بریں جب کسی مسئلہ کے متعلق آثار میں اختلاف ہو بعض اس

کے جواز پر اور بعض عدم جواز پر دلالت کر رہے ہوں تو ان کے رد و قبول اور ترک و اختیار کا معیار قرآن و حدیث اور کتاب و سنت کو ہونا چاہئے۔ چنانچہ جو آثار قرآن و حدیث کے مطابق ہوں، ان کو صحیح سمجھ کر قبول اور اختیار کر لیا جائے اور جو مطابق نہ ہوں ان میں تاویل کرکے ترک کردیا جائے۔

اس اصولی ضابطے کے مطابق، مزارعت سے متعلق مختلف آثار میں سے صرف وہی آثار صحیح اور قابل قبول قرار پاتے ہیں جو قرآن و حدیث سے مطابقت رکھتے ہوں، قرآن و حدیث کی رو سے مزارعت کی جو شرعی حیثیت ہے وہ پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آچکی ہے اور اس سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ مزارعت بنیادی طور پر ایک ناجائز اور باطل معاملہ ہے اور مسلمانوں کے مابین وہ حرام و ممنوع ہے لہذا مزارعت کے بارے میں صحابہؓ و تابعین کے وہ آثار بلاشبہ صحیح اور قابل قبول ہیں جو اس کے عدم جواز پر دلالت کرتے ہیں، اور جو اس کے جواز پر دلالت کرتے ہیں وہ قابل تاویل اور قابل ترک ہیں، ذیل میں مزارعت سے متعلق مختلف آثار اور ان پر بحث ملاحظہ فرمائیے!

امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح البخاری کے باب ''المزارعة بالشطر ونحو'' کے ترجمة الباب میں جو آثار نقل کئے ہیں چونکہ مزارعت کے جواز میں عام طور پر ان ہی کو پیش کیا جاتا ہے لہذا مناسب ہوگا کہ بحث کا آغاز ان ہی سے کیا جائے لیکن اس سے پہلے عام قارئین کے لئے یہ واضح کردینا ضروری ہے کہ امام بخاری نے اپنی کتاب میں ایک خاص اسلوب اختیار کیا ہے اور وہ یہ کہ وہ جب کسی مسئلہ کے متعلق باب قائم کرتے ہیں تو اس مسئلہ سے متعلق اصل احادیث بیان کرنے سے پہلے اور عنوان باب کے بعد درمیان میں کبھی قرآنی آیت، کبھی کسی حدیث نبوی کا ایک ٹکڑا اور کبھی صحابہ و تابعین کے اقوال و افعال یعنی موقوف احادیث اور آثار بیان کرتے

ھیں جن کا عنوان باب سے قریب یا دور کا تعلق ھوتا ھے، اصطلاح میں اس درمیانی حصہ کو ترجمۃالباب کہا جاتا ھے ، شارحین صحیح بخاری نے لکھا ھے کہ امام بخاری نے تراجم ابواب میں جو روایات ذکر کی ھیں ان میں انھوں نے صحت کے اس معیار کو ملحوظ نہیں رکھا جس کو انھوں نے احادیث ابواب میں ملحوظ رکھا ھے یعنی وہ تراجم ابواب میں قوی اور ضعیف ھر قسم کی روایات لاتے ھیں جب کہ احادیث ابواب میں صرف وہ احادیث نقل کرتے ھیں جو صحیح اور قوی ھوتی ھیں لہذا تراجم ابواب کی روایات پر بحث و تمحیص کی کافی گنجائش پائی جاتی ھے ۔

امام بخاری نے باب ''المزارعۃ بالشطر و نحوہ'' کے ترجمہ میں صحابہ و تابعین کے متعدد آثار نقل کئے ھیں، بعض سے مزارعت کا جواز مفہوم ھوتا ھے لیکن وہ سند و اسناد کے لحاظ سے بھی کمزور ھیں اور درایت کی رو سے بھی مشکوک و ناقابل اعتماد ھیں، اور بعض کا مزارعت سے براہ راست کچھ تعلق نہیں بلکہ بعض ایسے معاملات سے تعلق ھے جو بظاھر مزارعت جیسے ھیں، اس سے کچھ ایسا اندازہ ھوتا ھے کہ امام بخاری کو جب مزارعت کے جواز میں کوئی قرآنی آیت اور کوئی صریح صحیح حدیث نہیں مل سکی تو انھوں نے اس خلاء کو پر کرنے کے لئے بھرتی کے کچھ آثار نقل کر دئے، اس باب میں جو دو مرفوع احادیث ھیں ان میں سے ایک حدیث خیبر ھے جو مزارعت کے متعلق واضح اور صریح نہیں مطلب یہ کہ یہود کے ساتھ جو معاملہ ھوا تھا اس کو مزارعت کہنا بہت مشکل مسئلہ ھے اس کے متعلق مزارعت کا احتمال تو ھوسکتا ھے لیکن اس کی صراحت ھرگز نہیں غالباً یہی وجہ ھے کہ خود صحابہ کرام اور تابعین عظام کی ایک بڑی جماعت اور ائمہ مجتہدین اس کو مزارعت نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ پیچھے قدرے تفصیل کے ساتھ عرض کیا گیا ھے، اور دوسری مرفوع حدیث بروائت طاؤس عبداللہ بن عباس والی ھے جس سے مزارعت کا خلاف اولیٰ اور جائز مع الکراھت

هونا ثابت هوتا ہے، بنا بریں امام قابسیؒ کا یہ قول کہ : انما ذکر البخاری هذه الآثار فی هذا الباب لیعلم انه لم یصح فی المزارعة علی الجزء حدیث مسند، بالکل صحیح معلوم هوتا ہے جس کو علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کرکے رد کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اور اس کے لئے عجیب و غریب استدلال پیش فرمایا ہے جس میں کچھ جان نہیں، بہر حال امام بخاری نے سب سے پہلے جو اثر نقل فرمایا ہے وہ یہ ہے :

قال قیس بن مسلم عن ابی جعفر قال ما بالمدینة اهل بیت هجرة الا یزرعون علی الثلث والربع ،	قیس بن مسلم نے ابوجعفر الباقر سے روائت کیا کہ مدینہ میں مہاجرین کا کوئی ایسا گھرانہ نہ تھا جو تہائی اور چوتہائی پر کاشت کرتا کراتا نہ ہو،

یہ اثر سند کے لحاظ سے بھی ضعیف اور ناقابل اعتماد ہے اور متن کے لحاظ سے بھی مشکوک اور ناقابل فہم ہے سند کے لحاظ سے اس میں جو ضعف و کمزوری ہے وہ یہ کہ قیس بن مسلم نے یہ اثر خود حضرت ابو جعفر الباقر سے نہیں سنا بلکہ کسی دوسرے راوی کے واسطے سے سنا ہے اس لئے کہ اسماء الرجال کی کتابوں میں جہاں ابوجعفر الباقر سے حدیث روائت کرنے والے تلامذہ کا تذکرہ ہے ان میں قیس بن مسلم کا نام کسی نے ذکر نہیں کیا، اسی طرح قیس بن مسلم کے ترجمہ میں جہاں اس کے شیوخ کا تذکرہ ہے ان میں ابوجعفر الباقر کا نام کسی نے ذکر نہیں کیا، اور پھر دونوں ایک شہر کے رہنے والے بھی نہیں ابو جعفر الباقر مدنی اور قیس بن مسلم کوفی ہیں، اور قیس بن مسلم نے جس راوی کے واسطے سے یہ اثر سنا ہے اس کا کچھ پتہ نہیں کہ وہ کون اور کیسا راوی ہے لہذا یہ سند منقطع ہے، پھر یہ بھی واقع ہے کہ قیس بن مسلم کوفی کے سوا مدینے کا کوئی راوی اس اثر کو امام ابوجعفر الباقر سے روائت نہیں کرتا، اس سند میں جو دوسرا عیب ہے وہ یہ ہے

کہ امام بخاری نے یہ اثر خود قیس بن مسلم سے نہیں سنا کیونکہ قیس بن مسلم کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی جب کہ امام بخاری ۱۹۴ھ میں یعنی ۷۴ سال بعد پیدا ہوئے لہذا قرین قیاس یہ ہے کہ ان کے درمیان کم از کم دو واسطے ضرور تھے جن کا امام بخاری نے ذکر نہیں کیا، واضح رہے کہ مصنف عبدالرزاق میں حافظ عبدالرزاق اور قیس بن مسلم کے درمیان کے راوی کا تو ذکر ہے لیکن قیس بن مسلم اور ابو جعفر کے درمیان کے راوی کا کوئی ذکر نہیں، بہر حال اس اثر کی سند ناقابل اعتماد اور موجب ضعف ہے ۔

متن اور معنی کے لحاظ سے اس اثر کی صحت میں شک و شبہے کے جو اسباب ہیں ان میں سے ایک یہ کہ یہ بات خلاف واقعہ ہے کہ مدینہ میں مہاجرین کا کوئی ایسا گھرانا نہ تھا جو مزارعت پر کاشت نہ کرتا کراتا ہو، کیونکہ مہاجرین کا پیشہ زراعت نہ تھا بلکہ تجارت تھا جب کہ اس کے برعکس انصار کا پیشہ زراعت اور کھیتی باڑی تھا اور یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں ہوسکتا، اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ابو جعفر باقر کے زمانہ تک جو ایک صدی سے بھی کچھ زائد زمانہ ہے مہاجرین کی معیشت میں تبدیلی آگئی ہو ان کی اولاد نے بجائے تجارت کے زراعت کو ذریعہ معاش بنا لیا ہو اور مزارعت پر کاشت کرنا کرانا شروع کردیا ہو، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مدینہ کی پوری آبادی مزارعت پر عمل درآمد کر رہی تھی انصار و مہاجرین دونوں اس میں شریک تھے گویا اہل مدینہ کا اس پر پورا تعامل تھا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مفروضہ صحیح نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو امام مالك جن کو امام دارالهجرة کہا جاتا ہے پورے شد و مد کے ساتھ مزارعت کو جائز قرار دیتے، اس لئے کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ امام مالك تعامل اہل مدینہ کو نزاعی اور اختلافی مسائل میں قول فیصل کا درجہ دیتے ہیں اور اس کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ بعض دفع اس کے مقابلے میں حدیث تک نظرانداز کر دیتے ہیں، لیکن جیسا کہ موطا

اور مدونہ سے ظاہر ہے کہ وہ مزارعت کو ایک مستقل معاملے کی حیثیت سے قطعاً ناجائز قرار دیتے ہیں، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ فقہ مالکی کی مستند کتابوں میں مزارعت کا باب ہی نہیں ہوتا، البتہ وہ شرکت فی المزارعت کی چند شکلوں کو جائز مانتے ہیں جن میں مالک زمین اور کاشتکار دونوں کام میں بھی شریک ہوتے ہیں اور خرچہ میں بھی، مطلب یہ کہ امام مالک کا مزارعت کو ناجائز قرار دینا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اہل مدینہ کا اس پر تعامل اور عمل درآمد نہ تھا لہذا مذکورہ اثر معنوی طور پر مشکوک ہو جاتا ہے، اور اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ حضرت ابوجعفر الباقر کے زمانہ میں مہاجرین کی اولاد کا مزارعت پر عمل درآمد تھا تو ایک صدی بعد کے ان لوگوں کا یہ عمل اس وقت تک شرعی سند اور دلیل نہیں بن سکتا جب تک کہ یہ ثابت نہ ہوجائے کہ ان کے آباء و اجداد صحابہ کرام بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے اور یہ عمل پیچھے سے مسلسل ہوتا چلا آرہا تھا کیونکہ تعامل اہل مدینہ کو شرعی سند ماننے کی بنیاد تعامل صحابہ کرام ہے اور وہ بھی اس لئے کہ کسی معاملے پر صحابہ کرام کا عمومی عمل ہونا، اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے سامنے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول و عمل ہوگا جس سے وہ اس معاملے کا جواز سمجھے ہوں گے تو گویا اس معاملے کے جواز کی اصل دلیل کوئی حدیث نبوی ہوئی نہ کہ تعامل بحیثیت تعامل، اور پھر جب کہ یہ واقعہ ہے کہ ایک صدی گزرنے کے بعد عرب کے اسلامی معاشرے میں بھی اتنی تبدیلیاں رونما ہوگئی تھیں جن کا عہد رسالت اور عہد خلفاءراشدین میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا لہذا ہوسکتا ہے کہ خاص حالات کے تحت مہاجرین کی اولاد میں بعض دوسری چیزوں کی طرح مزارعت کا بھی رواج ہوگیا ہو، کیونکہ جہاں تک نہی مزارعت کی احادیث نبویہ کا تعلق ہے جن کو پیچھے تفصیل کے ساتھ نقل کیا جا چکا ہے یہ خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان واضح احادیث کی موجودگی میں

صحابہ کرام مزارعت کا کاروبار کرتے تھے، بہر حال قیس بن مسلم کا مذکورہ اثر روائت اور درایت دونوں کے لحاظ سے ضعیف اور ناقابل استدلال ہے لہذا صحیح احادیث کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ،

اس اثر کے بعد بخاری کے ترجمۃ الباب کی پوری عبارت یہ ہے :

وزراع علی و سعد بن مالك و عبدالله بن مسعود و عمر بن عبدالعزیز و القاسم و عروة و آل ابی بکر و آل عمر و آل علی و ابن سیرین، وقال عبدالرحمن بن الاسود کنت اشارك عبدالرحمن بن یزید فی الزراع و عامل عمر الناس علی ان جاء عمر بالبذر من عنده فله الشطر و ان جاءوا بالبذر فلهم کذا، وقال الحسن لا بأس ان تکون الارض لاحد هما فینفقان جمیعا فما خرج فهو بینهما، ورأی ذالك الزهری، وقال الحسن لابأس ان یجتنی القطن علی النصف و قال ابراهیم و ابن سیرین و عطاء و الحکم و الزهری وقتادة لابأس ان یعطی الثوب بالثلث او الربع و نحوه و قال معمر لابأس ان تکون الماشیة علی الثلث و الربع الی اجل مسمی ،

اور مزارعت کا معاملہ کیا حضرت علی، حضرت سعد بن مالک، حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عمر بن عبدالعزیز، قاسم، عروہ، آل ابوبکر، آل عمر، آل علی اور ابن سیرین نے، اور کہا عبدالرحمن بن اسود نے میں شرکت کرتا رہا عبدالرحمن بن یزید سے کھیتی میں، اور حضرت عمر رض نے معاملہ کیا لوگوں سے اس شرط پر کہ اگر بیج عمر کی طرف سے ہوگا تو اس کے لئے نصف پیداوار ہوگی اور اگر بیج ان کی طرف سے ہوگا تو ان کے لئے اتنا حصہ ہوگا، اور کہا حسن رح نے کہ اس میں کچھ حرج نہیں کہ زمین دو میں سے ایک کی ہو اور دونوں اس میں خرچہ کریں اور پیداوار دونوں کے درمیان تقسیم ہوجائے، اور یہی رائے زہری کی بھی ہے، اور کہا حسن بصری نے کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ

روئی چنی جائے نصف پر، اور کہا
ابراهیم، ابن سیرین ، عطاء حکم، زہری
اور قتادہ نے کہ اس میں کچھ حرج
نہیں کہ کپڑا بنوایا جائے تہائی یا
چوتھائی وغیرہ پر، اور کہا معمر نے
اس میں مضائقہ نہیں کہ جانور
استعمال کے لئے دیا جائے منافع کے
تہائی اور چوتھائی حصہ پر ایک
متعین وقت تک،